● رخسانہ رشید
● ڈاکٹر سیّد جاوید اقبال

فرہنگِ آصفیہ، امیر اللغات اور نور اللغات
(اعتراضات کا تحقیقی جائزہ)

A Research Study of Farhang-e-Aasfia, Ameerullughat and Noorulluhghat and their objections

It provides a comparative analysis of "Farhang-e-Asfia" vs "Ameerullughat" and "Farhang-e-Asfia" and "Noorullughat", its consequential findings and biblcism sources of information along with citations have also been described . The rationale for comparative investigation "Farhang-e-Asfia", "Ameerullughat" and "Noorullughat" is due to the fact that the auther of "Farhang-e-Asfia" blamed "Ameerullughat" and "Noorullughat" for plagiarism. Though critical literalure exists on the demur yet none of the dissertation takes above subject into consideration. Thus, exploring whether the contribution is a crib motive for research and scrutiny. The thesis assesses the conlicting arguments, compares and contrasts the objections and surveys the enviousness among the age.

اس مقالے کا مقصد ان اعتراضات کا جائزہ لینا ہے جو کہ مؤلف ''فرہنگِ آصفیہ'' نے دیگر لغات خاص طور پر ''امیر اللغات'' اور ''نور اللغات'' پر کیے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ آخر ان اعتراضات کی نوعیت کیا تھی؟ ان کی حمایت اور مخالفت کس بنیاد پر کی گئی ہے؟ اور ان وجوہات کو سامنے رکھا ہے جس کی بنا پر یہ الزامات لگائے ہیں اگرچہ مختلف محققین نے بھی اس بارے میں اپنی رائے دی ہے اس حصے میں ان اقتباسات کو مدِ نظر رکھا گیا ہے جو کہ ''فرہنگِ آصفیہ'' کے دیباچے اور تقاریظ میں اعتراضات سے متعلق ہیں۔ ان اعتراضات سے متعلق بہت سی معلومات مختلف مضامین کی صورت میں ہمارے سامنے آئی ہیں۔ ان اقتباسات

● پی ایچ ڈی اسکالر، اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔ rshahid82@gmail.com
● پروفیسر شعبہ اُردو، سندھ یونیورسٹی جام شورو۔ urdusindh@yahoo.com

اقتباسات اور مضامین سے متعلقہ معلومات کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ آخر اتنے سخت الزامات کا سبب کیا تھا؟ کیا کوئی معاصرانہ چشمک تھی یا پھر مولف کو اپنے کام کے بارے میں احساس برتری محسوس ہو رہی تھی؟ ان اعتراضات کو جو مولف نے دیگر لغات کے بارے میں کیے ہیں من و عن اقتباس کی صورت میں دینا انتہائی ضروری ہے تاکہ قاری خود بھی مولف کے دوسروں کے بارے میں سخت الفاظ کو جانچ سکے۔ سید احمد نے "فرہنگِ آصفیہ" میں تحریر کیا ہے کہ :

> "تصنیف کے ڈاکوؤں نے ہماری تصنیف پر ہاتھ مارا اور دن دہاڑے ڈاکہ ڈالا۔ لیکن اس خدا کی خدائی کے قربان جایئے۔ جس نے ان نامرادوں کو انجام پر نہ پہنچنے دیا۔ بعض نامی گرامی شاعروں، عربی فارسی کے ماہروں۔ فن لغت سے ناآشناؤں نے ارمغان دہلی کا چربہ اتار کر لغت تراشی پر کمر باندھی۔ آب وضو۔ ظرف وضو وغیرہ۔ اس قسم کے الفاظ درج لغت فرما کر بزعم خود فن لغت کو ترقی دینی چاہی مگر در حقیقت اپنی معلم استادی پر حرف آنے کا ایک بین موقع دیا۔ اگرچہ ۹۲۔۱۸۹۱ء میں اس پر ڈیڑھ برس تک اکمل الاخبار دہلی میں بحث ومباحثہ طبع ہوتا رہا ان کی فروگذاشت وعدم تحقیق لغات سے انھیں آگاہ کیا گیا۔ مگر وہ صرف الف ہی تک شائع کر کے رہ گئے۔ حال میں ایک کاکوری صاحب کا نمونۂ لغات ہماری نظر سے گذرا۔ آپ فرماتے ہیں کہ "حرف الف کے متعلق امیر اللغات ضرورت کو پورا کر چکا ہے۔ میں نے حرف ب کا نمونہ شائع کیا ہے" معلوم ہوتا ہے کہ جناب کی نظر قدس سے ارمغان دہلی کا اوّل حصہ مطبوعہ اپریل ۱۸۷۸ء اب تک بھی نہیں گزرا۔ جس طرح جامع اللغات نے ارمغان دہلی مطبوعہ ۸۷ء میں سے لفظ آنکھ لے کر اس کے مشتقات اور معانی کی ہو بہو نقل بطور نمونہ چھاپی تھی اسی طرح مولف نوراللغات نے بھی ان کی پیروی کر کے سنہ اشاعت سے پورے تین قرن بعد "فرہنگِ آصفیہ" میں سے لفظ بات اور اس کے مشتقات کی ہو بہو نقل بطور نمونہ شائع فرمائی ہے۔ ناظرین ودل بستگان اردو لغات فرہنگ وآصفیہ ونوراللغات کو سامنے رکھ کر مقابلہ فرمائیں بلکہ جس لغات کی نسبت انھوں نے فرمایا ہے یعنی امیر اللغات حرف الف لکھ کر ضرورت پوری کر چکا ہے اسے بھی ساتھ ہی سامنے رکھ لیں۔ ارمغان دہلی اگر نہ ملے تو ہمارے دفتر میں آکر مقابلہ کر لیں ورنہ "فرہنگِ آصفیہ" ہی کافی ہے۔"[۱]

مزید فرماتے ہیں کہ :

> "لیکن جب روپے نے خاطر خواہ ہمارا ساتھ نہ دیا تو ارمغان کا خلاصہ کیا۔ ہندوستانی اردو لغات کے نام سے رسالے نکالے۔ کئی برس تک یہی شغل رکھا۔ اس موقع پر تصنیف کے اچکوں نے بہت سا نقصان پہنچایا۔" [۲]

سید احمد دہلوی نے نہ صرف امیر اللغات اور نوراللغات کو تنقید کا نشانہ بنا کر ان پر سرقہ کا الزام لگایا بلکہ انھوں نے اردو زبان سے متعلق دیگر لغت نویس، محاورہ گو اور اصطلاح فہم لوگوں کے بارے میں سخت زبان استعمال کرتے ہوئے کڑی تنقید کی ہے اس ضمن میں فرہنگ میں سید احمد تحریر کرتے ہیں کہ :

''جن لوگوں کو اردو زبان کا تر کہ پانا تو کیسا بولنے کا سلیقہ نہیں وہ اس زبان کے لغت نگار، محاورہ داں، اصطلاح فہم، نکتہ رس، اہل زبان بن بیٹھے مگر یہ چپکے بیٹھے کسی مصلحت اور وقت کے انتظار میں سیر دیکھا اور اس طرح دل کو تسلی دیا ہے۔

نگین دل کو بغل میں رکھ اے معروف
کبھی تو کوئی بھلا اس رقم کو پوچھے گا

گو انھیں کی تصانیف چرا چرا کر اردو زباندانی کا منہ چڑایا۔ اتنے خشک اور پھس پھسے دماغ کے موافق اجتہاد کے اصلاح دی مگر نہیں لوگوں نے منہ سے اف نہ نکالی فراخی مادہ نہ ہونے سے کچھ نہ کچھ معنی لکھ دیے۔ تاریخی واقعات کو بدل دیا۔ ناموں تک میں غلطیاں کر دیں۔ اشعار کو خود نہ سمجھے اور ان کے الفاظ کے ایک کی بجائے کئی معنی گھڑ کر پیدا کر دیے۔ بے جوڑ معنی لگا دیے۔ لیکن یہی اللہ کے شیر گرفت کرنے اور ان کا ٹیٹوا دبانے کھڑے نہ ہوئے سچ پوچھو تو انھیں لوگوں کے معترض و مزاحم نہ ہونے سے ان زبان ناآشنا لوگوں کو جو زمانہ کے موافق خود اسی دماغ ذہنی لیاقت کے اردو داں بنے ہوئے ہیں۔ ایسی لغو تصنیف و تالیف کے سرانجام بدرجہا غنیمت سمجھنے کا موقع ملا اور وہی بات ہوئی

جن جن کو بات کرنا اے مصحفی سکھایا
ہر بات میں وہ میری اب بات کاٹتے ہیں

لیکن کہاں گنگا تیلی اور کہاں راجہ بھوج۔ وہ منہ کی کھائی کہ اہل جوہر اور کھرے کھوٹے کے پرکھنے والوں کے سامنے کچھ بھی نہ کر چلی۔

مضمون اپنے ہاتھ کہ گاہک ہوا یک خلق
چوری کی جس میں جنس ہو وہ دکان کیا چلے

چوں کہ ان صورتوں کے پیش آنے سے پہلی زبان کے مسخ ہو جانے میں کچھ شبہ نہیں رہا تھا۔ اس وجہ سے بندہ نے ۱۸۶۸ء وجسے آج پورے تیس برس ہوئے اس کا بیڑا اٹھایا اور کمر باندھ کر اس کا ہو گیا۔'' ۳

سید احمد اردو زبان و بیان پر صرف اپنی اجارہ داری کے قائل نظر آتے ہیں دوسرے تمام حضرات کی محنت و مشقت کو انھوں نے رد کر دیا۔ انھوں نے امیر و نیر کے لیے ڈاکو، اچکے، نامراد اور تصنیف چوٹا جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جلد چہارم میں لکھتے ہیں کہ:

''امیر مینائی جنھوں نے اس اخیر عمر میں ''امیر اللغات'' کے دو باب صرف الف ممدودہ و مقصورہ کے ہو بہو ''ارمغان دہلی'' کا چربہ اتار کر شایع فرمائے۔'' ۴

فرہنگ میں کئی بار الزامات کی بوچھاڑ کی ہے کہ:

''برس دیباچہ ص ا میں ڈیڑھ برس) روز تک اکمل الاخبار نے اس کی خاک اڑائی اور ثابت کیا کہ فن لغت اور ہے اور فن عروض اور۔'' ۵

کبھی کہا کہ تصنیف کے چوٹوں (چوٹا۔ ہ اسم مذکر، چور، اٹھائی گیر، ساری، اچکا) یہ معانی ''فرہنگِ آصفیہ'' ج ۲ ص ۱۲۵ میں) نے میرا بہت دل خراب کیا۔ تصنیف چوٹا سے مراد پرانی تصنیف میں تصرف کر کے اپنی تصنیف قرار دینے والا جسے ہماری لغت کے بہت سے چوٹے ہمارے زمانے میں دہلی اور رام پور وغیرہ میں ہوئے۔۶؎

قاضی عبدالودود، حامد حسن قادری، ڈاکٹر مسعود ہاشمی اور ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے بھی ان اعتراضات کو رد کیا ہے۔ اس ضمن میں قاضی عبدالودود نے ''فرہنگِ آصفیہ'' پر پانچ قسطوں میں تبصرہ کیا ہے جو کہ ''خدابخش جرنل'' میں شائع ہوا اور بعد میں ''زبان شناسی'' کے نام سے ۱۹۹۵ء میں پٹنہ سے کتاب شائع ہوئی جو کہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔ قاضی عبدالودود کی رائے کے مطابق سید احمد علاقائیت کو فوقیت دیتے ہیں۔

''اردو سے صرف الفاظ اردو مراد نہیں بلکہ اس کا لہجے بھی جو اردو کی اصالت ہے (کذا) اس میں شمار کیا جاتا ہے (دیباچہ، ص۹۶)۔'' ۷؎

سیّد احمد کے علاوہ دوسرے شہروں مثلاً اکبر آباد، بنارس، کانپور، لکھنؤ، میرٹھ، لاہور، کرانے، جھنجھانے، شاہ جہاں پور اور دیوبند کے رہنے والوں کو اہل زبان نہیں مانتے تھے۔ ان کے نزدیک دہلی کی زبان ہی ٹکسالی زبان ہے باقی دوسرے شہروں کا لہجہ دہلی جیسا کیسے ہو سکتا ہے اور امیر و نیر دہلی کے باشندے نہیں تھے لہذا ان کو آپ لغت نویس یا اہل زبان داں ماننے سے ہی انکار کرتے ہیں۔ آپ زبان و بیان میں علاقوں اور مذہب کو بیچ میں کیسے لا سکتے ہیں؟ جب کہ اردو زبان و بیان کی وسعت سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا تو پھر اس میں دہلی اور مسلمان ہونے کی شرط سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر ان کا خیال یہ ہی تھا تو پھر فیلن کی ڈکشنری کو مسلمان نہ ہونے کی بنا پر رد کر دیتے سات سال کا تجربہ ان کے ساتھ کیوں حاصل کیا؟ ان کے مطابق مسلمان ہی مسلمانوں کے الفاظ و محاورات کو سمجھ سکتا ہے یہ بڑی مزاحقہ خیز بات ہے اگر سید احمد کی بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ اہل دہلی اور مسلمان ہی لغت نویسی کے میدان میں اتر سکتے ہیں تو پھر اردو لغت نویسی پر جتنا بھی کام غیر مسلموں نے کیا ہے اس کی نفی کرنی ہوگی۔ یہ سوچ آپ کے متعصبانہ رویے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

''مگر مصیبت یہ آپڑی کہ دہلی کے ایک ہندو نے ۱۸۸۶ء میں مخزن المحاورات ایک جلد میں شائع کی، یہ تو کہہ نہیں سکتے تھے کہ وہ دہلوی نہیں، پہلے تو ۴ ص ۵۷ میں ''گلچھرّے اڑانا'' کے تحت لکھا کہ ہمارے لیے محاورہ داں مسلمانوں کا محاورہ کیا جانیں، اور اسے کافی نہ سمجھ کر خلاف دستور محاورہ مذکورہ دوبارہ ۴ ص ۶۲ میں ایک مستقل لغت کی حیثیت سے پیش کیا اور نئے محاورہ داں (نام کتاب و مؤلف درج نہیں) پر سرقے کا الزام لگا کر یہ تحریر کیا۔

''بلی نے شیر کو سب کچھ سکھا دیا، مگر پیڑ پر چڑھنا نہیں بتایا اہل زبان اصل اور نقل کا انصاف کر سکتے اور جو

نکات خاص مسلمانوں کے رسوم وغیرہ سے متعلق ہیں، ان میں غور فرما سکتے ہیں کہ کون کہاں، کہاں گرا اور کون کہاں بازی لے گیا۔"[۸]

ان ہی خیالات کی حمایت حالی نے فرہنگ کی تقریظ میں کر دی ہے کہ اردو میں لغت نویسی کے لیے دہلی کا شریف مسلمان ہونا لازمی ہے۔ مذکورہ بالا بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید احمد امیر و نیر کے لیے تو اچھی رائے نہیں رکھتے تھے لیکن دوسروں پر طنز کر کے سرقہ کا الزام لگایا قاضی عبدالودود کی رائے کے مطابق سید احمد کو یہ گوارا نہیں تھا کہ ایک عروض دان (امیر مینائی) لغت نویسی میں طبع آزمائی کریں کیوں کہ وہ لغت نویسی کے میدان کو صرف اپنے لیے مخصوص سمجھتے تھے۔ حامد حسن قادری کہتے ہیں کہ "امیر اللغات" اور "نور اللغات" اور فرہنگ آصفیہ کی ہو بہو نقل نہیں ہے۔ دراصل سید صاحب نے اس کام کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تو وہ چاہتے تھے کہ اردو لغت نویسی کا سہرا بھی ان ہی کے سر رہے۔ وہ تو شکر کہ انھوں نے اپنی زندگی ہی میں "فرہنگِ آصفیہ" کو مکمل کر کے اس کی اشاعت بھی دیکھ لی ورنہ وہ یہ حسرت ہی لے کر دنیا سے چلے جاتے۔ بہر حال محنت تو دوسرے لغت نویسوں نے بھی کی ہے بس فرق صرف اتنا ہے کہ جس وقت امیر و نیر نے اپنی لغات مرتب کیں تو ان کے سامنے "فرہنگِ آصفیہ" کا نمونہ موجود تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے اس کا چربہ کیا ہے۔ دراصل الفاظ و محاورات کسی ایک مصنف کی جاگیر نہیں ہوتے جس پر دوسرے کام نہیں کر سکتے اردو زبان کے یا کسی بھی زبان کے الفاظ و محاورات تو مشترک ہی ہوتے ہیں ورنہ لغت نویس کہاں سے ذخیرۂ زبان جمع حاصل کرے گا۔ یہ ہر شخص کا حق ہے کہ وہ اپنی تحقیق و جستجو سے ان کو جمع کرے اس کے باوجود بھی بہت سے الفاظ کسی ایک لغت میں درج ہونے سے رہ جاتے ہیں اور کبھی ایسے اندراجات شامل لغت ہوتے ہیں جو کہ دوسری لغت میں موجود نہیں ہوتے ہیں یہ ہی ان تینوں لغات کے معاملے میں ہوا ہے تو پھر سرقہ کیسے ہوا؟ ہاں پہلے الفاظ جمع کرنے کی فضیلت تو سید احمد ہی کو حاصل ہے۔ سرقہ میں تشریح اور سند کے اشعار کو شمار کیا جا سکتا ہے کیوں کہ وہ مولف کی ملکیت ہوتے ہیں اس کی محنت ہوتی ہے۔ امیر و نیر نے صرف فرہنگ سے استفادہ کیا ہے اور خود تحقیق کر کے غیر ضروری اندراجات کو ترک کیا ہے اور بہت سے الفاظ و محاورات جو فرہنگ میں درج ہونے سے رہ گئے تھے ان کو شامل لغت کیا ہے۔ سند کے اشعار میں بھی واضح فرق نظر آتا ہے۔ ارمغان دہلی ۱۸۷۸ء میں اور امیر اللغات نے ۱۸۸۴ء میں لفظ آنکھ کا نمونہ مرتب کیا۔ اسی طرح نور اللغات میں لفظ بات کے ۶۸ اور فرہنگ میں ۶۴ معنی ہیں اس میں سے صرف چند اشعار فرہنگ سے ملتے ہیں باقی مختلف ہیں۔ فرہنگ میں ۱۰۰ سے زائد محاوروں کے لیے اسناد کی کمی ہے اور معانی دس دس دے دیے لفظ "بات" کے لیے جب کہ نور اللغات نے اکثر سندیں اشعار سے بھی لی ہیں اور کہیں فقرے بھی دیتے ہیں۔ پس سرقہ کا الزام انتہائی سخت ہے اور دونوں (امیر مینائی اور نور الحسن نیر کاکوروی) کی شخصیت ایسی نہیں تھی کہ سید احمد کی فرہنگ کی ہو بہو نقل سے اپنی لغات مرتب کریں۔[۹]

قاضی عبدالودود نے ''فرہنگِ آصفیہ'' پر تبصرہ کر کے اس کی خامیوں کی نشان دہی کی ہے اور ان اعتراضات کے بارے میں مذکورہ رائے دی ہے جب کہ انھوں نے فرہنگ آصفیہ، امیر اللغات اور نور اللغات کے اندراجات و ترتیب اندراجات وغیرہ کا مکمل طور پر تقابل نہیں کیا ہے البتہ حامد حسن نے مختصر مضمون میں کہا ہے کہ امیر مینائی نے غیر ضروری اندراجات کو ترک کیا ہے اور ضروری محاورات کو شامل کیا ہے جس کے سلسلے میں ایک دو مثالیں دی ہیں باقی اسناد سے متعلق چند مثالیں دی ہیں لیکن یہ تفصیل نہیں بیان کی گئی کہ کون سے الفاظ جنھیں ترک کیا گیا ہے اور کون سے الفاظ و محاورات کو شامل لغت کیا گیا ہے اور (اس کی کیا وجہ ہے کیا وہ آج جدید اردو لغت میں موجود ہیں یا نہیں) جتنے سخت الزامات اور لہجہ سید احمد نے استعمال کیا ہے اس کے بعد یہ بہت ضروری ہے کہ اس پر کماحقہ تحقیق ہو جانی چاہیے اور سچائی کو سامنے لانا بہت ضروری ہے۔ جس سے ''فرہنگِ آصفیہ'' کا امیر اللغات اور نور اللغات کے تمام لوازمات کا تقابل ایک اہم کام ہے۔

ڈاکٹر مسعود ہاشمی نے بھی ان اعتراضات کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ۱۰ اس کے علاوہ ڈاکٹر رؤف پاریکھ اس بابت تحریر فرماتے ہیں کہ سیّد احمد نے یہ بے بنیاد الزام لگایا ہے اور ان کے خیال میں اس کی جو تردید حامد حسن اور قاضی عبدالودود نے بہ دلائل کر دی ہے وہ کافی ہے۔ ۱۱

سید احمد دہلوی کے ان اعتراضات کے پیچھے جو اسباب کار فرما نظر آتے ہیں ان میں ایک جذبہ احساس برتری کا ہے جو کام لغت نویسی میں سید احمد نے کیا ہے وہ کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ دوسرا معاصرانہ چشمک وہی دہلی اور لکھنؤ کا پرانا جھگڑا۔ اس ضمن میں وہ تقاریظ ہی کافی ہیں جو کہ ''فرہنگِ آصفیہ'' میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ چند مضامین میں بھی دہلی اور لکھنؤ کی علمی چپقلش کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ نواب مولوی محمد نقی خانصاحب قمر اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں کہ:

> ''آپ کے جوہر میں یہی خوبی ہے کہ دہلی کی زبان کے الفاظ جب لکھتے ہیں تو اس کے معانی تشریح و توضیح کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس کو انگریزی میں Sence word کہتے ہیں۔ محققین کہتے ہیں کہ ایسا سینس وہی بیان کر سکتا ہے جو مادری زبان پر اچھی طرح حاوی ہو جلال لکھنوی اور امیر مینائی آپ سے بہتر یا آپ کے برابر، اردو الفاظ کے معنی کیا بیان کر سکتے ہیں۔ گلشن فیض کے متعلق لکھنؤ والے کہتے ہیں کہ خواجہ اوسط علی رشک لکھنوی کی غیر مطبوعہ کتاب نفس اللغہ کی نقل ہے اور امیر اللغات ''فرہنگِ آصفیہ'' یا سید اللغات کی نقل ہے۔ امیر اللغات یا گلشن فیض میں جہاں دہلی کے الفاظ ہیں۔ وہاں ان کے معنی بالکل غلط بیان کیے ہیں۔ میں ان نامکمل کتب کو دیکھ چکا ہوں۔ جو صاحبان لکھنؤ کے قلم سے نکلی ہیں۔'' ۱۲

محمد نقی کے خیال میں امیر مینائی کو ارمغان دہلی دیکھنے کے بعد لغت نویسی کا شوق پیدا ہوا اور پھر ۱۸۹۱ء میں اس کے دو حصے آگرہ سے طبع ہوئے۔ اس کے بعد وہ کئی سال تک زندہ رہے۔ لیکن مزید حصے شائع نہیں ہو سکے۔ امیر مینائی کے صرف ان

حصوں کی وسعت کو دیکھ کر سید احمد کو حیرت تو ضرور ہوئی مگر انھوں نے پھر طنزاً کہا کہ ''جو ڈھنگ انھوں نے (امیر نے) اس نمونے میں اختیار کیا ہے اگر اسی طرح یہ کتاب انجام کو پہنچتی تو کوئی لغت کسی زبان میں باقی نہیں رہے گا۔'' یعنی اس میں بہت زیادہ افراط و تفریط سے کام کیا گیا ہے اور اس کا مکمل ہونا ممکن نظر نہیں آ رہا ہے۔ ان کے مطابق لکھنؤ میں کسی بھی محقق یا لغت نویس شہر دہلی اور قلعہ معلی کی زبان پر لغت لکھی ہو یا اس سے درست معنی و مطالب بیان کیے ہوں۔ امیر اللغات کو دہلی کی زبان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ۱۳

''فرہنگِ آصفیہ'' اور ''امیر اللغات'' پر جو ایک عرصہ سے اکمل الاخبار اور دیگر اخبارات میں مخالفانہ بحث جاری تھی اس کے ضمن میں سر مور گزٹ ناہن اپنا موقف بیان کرتے ہیں ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر درج ذیل امور پر غور کر لیا جائے تو یہ بے ہودہ بحث ہی ختم ہو جائے گی۔ امیر مینائی بھی قابل احترام ہیں اور ان کا کام بھی تعریف کے قابل ہے جس کی ابھی پہلی جلد شائع ہوئی ہے دوسری طرف ''فرہنگِ آصفیہ'' وارمغان دہلی یا سید اللغات کے مؤلف نے اپنی زندگی کے بیس بائیس سال کی ان تھک محنت سے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کی خوبیوں کی بدولت آج سید احمد دہلوی کا نام دنیا کے بڑے ناموں میں شمار ہوتا ہے مگر ان دونوں لغات کے درمیان جو علمی چپقلش کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے وہ انتہائی افسوس ناک بات ہے۔ جس کی وجہ سے وہی دہلی اور لکھنؤ کے پرانے جھگڑے نے جنم لے لیا ہے۔ ''فرہنگِ آصفیہ'' کی حمایت اور امیر اللغات کی مخالفت میں اکمل الاخبار میں مضامین شائع ہوتے ہیں اسی طرح لکھنؤ سے آزاد، مہذب اور ریاض الاخبار گھور گھپور وغیرہ امیر اللغات کے معاون کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ اس معاملے کو اکمل الاخبار بہت سنجیدگی، برداشت اور محنت سے لے کر چل رہا ہے جب کہ اس کے مخالفین میں وہ بات نہیں ہے۔ انھیں چاہیے کہ عدل و انصاف سے کام لے کر خاموش ہو کر بیٹھ جائیں کیوں کہ جو محنت ''فرہنگِ آصفیہ'' میں کی گئی ہے اس کے سامنے امیر اللغات اور فرہنگ کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک مدرسہ یا مکان (امیر اللغات) کسی کالج یا محل (فرہنگِ آصفیہ) کے بانی کے ساتھ مقابلہ کرنا۔ دوسری بات تقدم زمانی کی آجاتی ہے جو کہ ''فرہنگِ آصفیہ'' کو حاصل ہے۔ امیر اللغات نے فرہنگ سے کوئی مدد لی ہو یا نہیں مگر تقدم اور موخر میں جو واضح فرق ہے وہ ہمیشہ رہے گا اس کے علاوہ سید صاحب کو سنسکرت اور ہندی کے معاملے میں بھی بڑا علم حاصل ہے۔ ان تمام امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس بحث کو دونوں طرف سے ختم ہو جانا چاہیے اور ''مضمون کو انصاف پسند لوگوں کے انصاف اور مقابلہ کو مبصرین کی حق شناسی کے واسطے چھوڑ دیں۔'' ۱۴

اس تبصرے کی آخری سطریں ہمیں دعوت تحقیق دیتی ہیں کہ اس موضوع کو ثبوت اور دلائل کی روشنی میں منطقی انجام تک پہنچایا جائے۔

مذکورہ بالا تبصرے ''فرہنگِ آصفیہ'' اور امیر اللغات ۱۴/ دسمبر ۱۸۹۱ء میں سر مور گزٹ ناہن نے سید احمد کے

لیے کہا ہے کہ انھیں سنسکرت اور ہندی کے جاننے کا بہت بڑا ملکہ ہے اس بات کی تردید مسعود ہاشمی کی کتاب سے واضح ہوتی ہے کہ جس کا ارشارہ ''فرہنگِ آصفیہ'' کی طرف بھی ہے کہ :

''پروفیسر مسعود حسین کی رائے میں یہ ہے کہ ان مؤلفین لغت کی علمیت قطعاً ایک طرفہ تھی انھیں عربی اور فارسی زبانوں پر جس قدر عبور رہا ہوگا، ہندی یا سنسکرت زبان پر اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھا اسی وجہ سے پروفیسر مسعود حسین موصوف سنسکرت الاصل الفاظ کی اصل کی نشان دہی کو ان اردو لغات کا کمزور ترین حصہ قرار دیتے ہیں۔'' ۱۵

ڈاکٹر جمیل جالبی نے دہلوی و لکھنوی دبستان کو الگ الگ پیش کیا ہے۔ ان کے مطابق یہ بات شعر الہند سے شروع ہوئی تھی اور ان کے مطابق علی جواد زیدی کا بھی یہی نظریہ تھا کہ دہلی اور لکھنو کی بحث کو تاریخ ادب سے خارج کر دینا چاہیے۔ لیکن مذکورہ بالا اقتباسات کے علاوہ بھی کچھ شواہد ایسے ہیں جن میں مولف ''فرہنگِ آصفیہ'' دہلویت پر فخر اور ناز کرتے ہیں اور دیگر لکھنویت وغیرہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جسے رشید حسن خان فرماتے ہیں کہ سیّد احمد کٹر دلی والے تھے اور ان کا یہ خیال تھا کہ زبان کے معاملے میں لکھنؤ والوں کو دلی والوں کی نقل نہیں کرنی چاہیے اور دلی سے باہر کا آدمی چاہے اس کا تعلق لکھنؤ ہی سے کیوں نہ ہو اہل زبان کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

''اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ دہلی کے سوا کوئی دوسرا شہر ٹکسالی اور مرکز اردو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اردو لکھ لینا اور ہے اور اس کا صحیح لہجہ ادا کرنا اور۔'' (آصفیہ جلد اوّل، ص ۶۶) ۱۶

اس ضمن میں رشید حسن اپنے مضمون میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس کو فرضی لطیفے کا نام دیا گیا ہے۔

لطیفہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ استاد ذوق کے ایک لکھنؤ ''دوست'' نے ناسخ کی ایک تازہ غزل سنائی۔ اسی زمین میں ان کو ذوق نے اپنی غزل سنائی، جس میں یہ شعر بھی تھا۔

ہے قفس سے شور اک گلشن تلک فریاد کا
خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیاد کا

دوسرا شعر سنتے ہی چونکے اور فرمایا کہ ہیں! آپ نے طوطی کو مذکر باندھ دیا، حالاں کہ اس میں یائے معروف علامت تانیث موجود ہے۔ استاد ذوق نے فرمایا کہ حضرت! محاورے پر کسی کے باپ کا اجارہ نہیں ہے۔ آج میرے ساتھ چوک پر چلیے... جب شام کا وقت ہوا، دونوں صاحب جامع مسجد کی سیڑھیوں پر، جہاں گزری لگتی ہے، پہنچے... دیکھا ایک شہدے صاحب بھی طوطی کا پنجرہ اٹھائے چلے آتے ہیں۔ آپ نے بلا تکلف پوچھا بھیا! تمھاری طوطی کیسی بولتی ہے؟ جواب دیا کہ میاں! بولتی تمھاری ہوگی، یاروں کا طوطی تو خوب بولتا ہے۔'' ۱۷

وارث سرہندی نے بھی فرہنگِ آصفیہ و امیر اللغات اور نور اللغات کو دہلی اور لکھنؤ کا اہم کام قرار دیا ہے:

''فرہنگِ آصفیہ'' اگر دہلوی دبستان لسانیات کے لیے موجب افتخار ہے تو ''نور اللغات'' لکھنوی دبستان لسانیات کے لیے باعث فخر ومباہات ہے۔۔۔۔ اگر ''امیر اللغات'' مکمل ہو جاتی تو لکھنوی دبستان لسانیات کا شاہکار ہوتی۔'' ۱۸

مذکورہ بالا اقتباسات اور بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سید احمد دہلوی نے جو اعتراضات اور الزامات امیر و نیر پر لگائے تھے ان میں معاصرانہ چشمک کا عنصر نمایاں ہے اور اسی عنصر کے پسِ پست جذبہ خود پسندی بھی چھپا ہوا ہے ایک طرف تو سیّد احمد کا تعلق دہلی سے تھا دوسری طرف وہ اردو کی ایک بڑی لغت مرتب کر رہے تھے۔ جو کام اردو لغت نویسی پر وہ کر رہے تھے تو ان کو یہ برداشت نہیں ہو رہا تھا کہ کوئی دوسرا بھی اس میدان میں اتر کر اپنا نام پیدا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے امیر و نیر پر الزامات لگائے اور اپنی فرہنگ میں ان کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ ان کے انداز گفتگو کو پڑھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ان کو کسی بات کی کوئی پروا نہیں ہے اور یہ تمام الزامات انھوں نے ایسی لغت میں شامل کر دیے جو کہ ایک لغت نویس کو نہیں کرنی چاہیے۔ اخبارات کی حد تک تو بے جا الزامات لگائے بھی جاتے ہیں اور چل بھی جاتے ہیں۔ لیکن لغت جیسی مستند کتاب میں یہ تمام اعتراضات اور الزامات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو دل میں آیا وہ بنا کسی تحقیق کے دوسرے لغت نویسوں کے بارے میں اپنی فرہنگ کے دیباچے اور مختلف جگہوں پر کہہ دیا۔

حواشی:

۱۔ سیّد احمد دہلوی، ''فرہنگِ آصفیہ''، دیباچہ، ج۱، ۲۰۱۰ء، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ص ۱۔

۲۔ ایضاً، ص ۳۶۔

۳۔ ''فرہنگِ آصفیہ''، دیباچہ، ج۴، ۲۰۱۰ء، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ص ۴، مشمولہ کتاب اردو لغت نویسی تاریخ، مسائل اور مباحث، ۲۰۱۰ء، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، اسلام آباد از ڈاکٹر رؤف پاریکھ مضمون ص ۳۸، حاشیہ ۳۔

۴۔ ایضاً، ص ۳۹۔

۵۔ ''اردو لغت نویسی (تاریخ، مسائل اور مباحث)، ص ۴۱ تا ۴۳۔

۶۔ ایضاً، ص ۵۱۔

۷۔ ایضاً، ص ۴۳۔

۸۔ ایضاً، ص ۴۴۔

۹۔ حامد حسن، قادری، ''داستان تاریخ اردو''، ۱۹۹۹ء، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ص ۹۰۴، ۹۰۵۔

۱۰۔ ڈاکٹر مسعود ہاشمی ''اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ''، ۱۹۹۳ء، ترقی اُردو بیورو، دہلی، ص ۱۰۹۔ ۱۱۰۔

۱۱۔ امیر مینائی، ''امیر اللغات''، ج۳، ۱۸۹۵ء، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی۔
تدوین ڈاکٹر رؤف پاریکھ، ۲۰۱۰ء، پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور، ص ۷۔

۱۲۔ ''فرہنگِ آصفیہ''، ج ۱، ص ۶۶۰، ۶۵۹۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۶۶۰۔۶۶۱۔

۱۴۔ ایضاً، ج ۴، ص ۸۳۳۔۸۳۴۔

۱۵۔ ''اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ''، ص ۸۸۔

۱۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ''تاریخ ادب اردو''، ج ۳، مجلس ترقی ادب، لاہور ۲۰۰۸ء، علی جواد زیدی، ''دو ادبی اسکول''، ۱۹۸۸ء، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۹۵۔

۱۷۔ رؤف پاریکھ، ڈاکٹر، ''لغت نویسی اور لغات'' (روایت اور تجزیہ)، ۲۰۱۵ء، فضلی سنز، کراچی ص ۲۳۴۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۳۶۔

۱۹۔ وارث سرہندی، ''کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ''، جلد سوم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، جولائی ۱۹۸۷ء، ص ۹۔

فہرستِ اسنادِ محوّلہ:

۱۔ امیر مینائی: ۱۸۹۵ء، ''امیر اللغات''، ج ۳، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی۔

۲۔ پاریکھ، رؤف، ڈاکٹر: ۲۰۱۰ء، ''اردو لغت نویسی تاریخ، مسائل اور مباحث''، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد۔

۳۔ ـــــــــ، ''لغت نویسی اور لغات'' (روایت اور تجزیہ)، ۲۰۱۵ء، فضلی سنز، کراچی۔

۴۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر: ۲۰۰۸ء ''تاریخ ادب اردو''، ج ۳، ناظم مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۵۔ حامد حسن، قادری: ۱۹۹۹ء، ''داستان تاریخ اردو''، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی۔

۶۔ دہلوی، احمد، سید: ۲۰۱۰ء، ''فرہنگِ آصفیہ''، جلد اوّل، جلد چہارم، اردو سائنس بورڈ، لاہور۔

۷۔ زیدی، علی جواد: ۱۹۸۸ء، ''دو ادبی اسکول''، نفیس اکیڈمی، کراچی۔

۸۔ سپر ہندی، وارث: ۱۹۸۷ء، ''کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ''، جلد سوم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۹۔ ہاشمی، مسعود، ڈاکٹر: ۱۹۹۲ء، ''اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ''، اُردو بیورو، دہلی۔

ـــــــــــــــــــــــــ